دارث سرہندی

موسیقی اور اسلام

"موسیقی اور اسلام" ایک خاصا نزاعی مسئلہ ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں کو خوب اچھی طرح سے کھنگال لیا جائے۔ اس سلسلے میں موافق یا مخالف ہر قسم کے تحقیقی مقالات "ثقافت" میں بہ مسرت شائع ہوں گے۔

موسیقی کے متعلق بعض حلقوں میں شدید اختلاف آرا پایا جاتا ہے۔ بعض اس کو اشتعالِ جذباتِ نفسانی اور ہوس رانی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور بعض اس کو روحانی ترقی اور انسانی اقدار کے فروغ کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس اختلاف کا شدید ردِّ عمل مذہبی حلقوں میں نمایاں ہے۔ جہاں یہ نظریاتی اختلاف جواز و عدم جواز کی حدود سے گزر کر ضلالت و استقامت اور راستی و گمراہی کی بنیاد بن کر نزاعی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اہل اسلام کے مختلف طبقوں بالخصوص علماء و صوفیا کے طبقوں میں یہ مسئلہ مابہ النزاع بنا ہوا ہے۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ اس کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈال کر کسی صحیح اور واضح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک روشن اور دوسرا تاریک یا بالفاظ دیگر ہر چیز میں کچھ فائدے اور کچھ نقصانات ہوتے ہیں، اس لیے اس کے مفید یا مضر ہونے کا حکم اس کے غالب پہلو کو مدِ نظر رکھ کر لگایا جاتا ہے۔ بعض چیزوں کے اثرات اتنے تیز ہوتے ہیں کہ ہم سرسری نظر میں ان کے مفید و مضر اثرات میں تمیز نہیں کر سکتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی افادیت و مضرت ایک مستقل موضوعِ بحث

بن جاتی ہے۔ یہی حال موسیقی کا ہے۔ اس کی زود اثری اس کے حق میں مصیبت بن گئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ایسی قوی الاثر اور سریع التاثیر اشیاء کو یکسر نظر انداز کر کے ان سے تعلق ہی ختم کر لیا جائے۔ مثال کے طور پر علم کو لیجیے۔ علم کی اہمیت سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں۔ لیکن جب علم کے خطرناک پہلوؤں پر نظر جاتی ہے تو ہم کانپ اٹھتے ہیں۔ موجودہ دور میں ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کی شکل میں علم کی تباہ کاری و ہلاکت خیزی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ہر فتنہ و فساد کے پس منظر میں علم ہی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ کیا علم کے اس پہلو کو مدنظر رکھ کر علم سے دست کش ہو جانا اور جہالت کی تاریکی میں پناہ لینا مناسب ہوگا؟ اس کا جواب ہر طرف سے نفی میں ملے گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ علم کا اس میں مطلق کوئی قصور نہیں، جو بھی خرابی ہے اس کا سبب علم کا غلط استعمال ہے۔ مولانا رومی نے کیا خوب کہا ہے:

علم را بر تن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

علم سے اگر تن پروری و نفسانیت کا کام لیا جائے گا تو وہ سانپ کی طرح ہلاکت آفریں ثابت ہوگا اس کے برعکس اگر اس سے روحانی ترقی اور خدمت خلق کا کام لیا جائے تو یہ رحمت ثابت ہوگا۔ حدیث نبوی میں اس ہلاکت آفریں علم کو ہی حجاب اکبر کہا گیا ہے۔ لیکن علم کے اس غلط استعمال سے علم کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس غلط استعمال کے ذمہ دار ہم ہیں نہ کہ علم۔ اسی طرح موسیقی جہاں روح کی بیداری اور جذبات محبت و ہمدردی کی انگیخت کا ایک نہایت عمدہ ذریعہ ہے۔ وہاں غلط استعمال کی صورت میں یہ خطرناک بھی ہے۔

قرآن جو منبع ہدایت اور موجب فوز و فلاح ہے، اس کے متعلق بھی یہ واضح ارشاد موجود ہے کہ "ولا یزید الظالمین الا خسارا" یعنی ظالموں کے لیے اس میں سراسر نقصان و خسران ہے۔ جب ایک ظالم شخص قرآن سے بھی فائدہ کی بجائے نقصان ہی اٹھاتا ہے تو موسیقی سے نقصان اٹھانا کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ اور اس سے موسیقی کی ذات میں کوئی قصور واقع نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ بذاتہٖ موسیقی بڑی بلند اور اعلیٰ درجہ کی روحانی غذا ہے۔ اس سے انسان کی حس لطیف بیدار ہوتی ہے اور ذہنی خلفشار کو سکون ملتا ہے۔ اس لیے ہر مذہب و ملت میں موسیقی کو نمایاں مقام حاصل ہے اور ہر قوم و ملت کے عظیم دانشور اور مفکر اس کی توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ بعض مذاہب میں تو موسیقی رسوم عبادت میں شامل ہے۔

ہندو دھرم میں موسیقی کو دیوتاؤں کی زبان کہا گیا ہے۔ ہندو دیومالا کی ایک روایت کے مطابق کائنات کا مالک شیو نہیں بلکہ برہما ہے۔ وہی براہِ راست موسیقی کا منبع ہے۔ یہ چار بازوؤں والا دیوتا یعنی برہما خود اپنے خیال سے پیدا ہوا اور اسی سے رشیوں نے جنم لیا۔ رشیوں نے ایک چار بازوؤں والی دیوی سرسوتی کنول کے پھول سے پیدا کی۔ اس دیوی کے ایک ہاتھ میں بانسری اور کھڑتال اور دوسرے میں ہاتھ میں کتاب ہے، کیونکہ یہ علم اور موسیقی کی دیوی ہے۔ اس سے کسی قدر مختلف ایک روایت یہ بھی ہے کہ برہما نے پہلے یہ فن شو کو سکھایا، شیو نے سرسوتی کو عطا کیا اور سرسوتی نے نارد منی کو ودیعت کیا اور آخر میں نارد منی نے اپسراؤں کو تعلیم کیا اور یہ اپسرائیں ہی راگ راگنیاں ہیں۔ ہندو عقیدہ میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص مکتی حاصل کرنا چاہے تو سنیاسی آشرم پر پہنچ کر راگ تپسیا کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی پُر فضا و پُر سکون مقام میں آسن جما کر روحانی فیض حاصل کرے اور سرسوتی کی پوجا کرے۔ دیوی اس تپسوی کی سرپرستی کرے گی اور اسے مکتی حاصل ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ ایک اور دیوتا گندھرو کو بھی سنگیت کا دیوتا کہا جاتا ہے۔ بہر حال ہندوؤں میں موسیقی کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور ان کا کوئی بھی شعبۂ حیات موسیقی کی کارفرمائیوں سے خالی نہیں۔

یونانی ضمنیات میں میوز (Muse) موسیقی اور شاعری کی دیوی ہے۔ موسیقی

کے لیے انگریزی لفظ میوزک (Music) اسی سے مشتق ہے۔

یہاں یہ بحث بے کار ہوگی کہ ان روایات کو واقعیت و حقیقت سے کس حد تک تعلق ہے، کیونکہ ایسی روایات کا مقصد واقعات کی رپورٹ پیش کرنا نہیں ہوتا، بلکہ تمثیلی رنگ میں کسی حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہاں بھی ان روایات سے مقصود موسیقی کی زبردست کشش و تاثیر اور اہمیت کا اظہار ہے۔

کرشن بھگوان کہتے ہیں کہ مجھے بہشت اور زاہد مرتاض کے دل میں مت تلاش کرو، بلکہ مجھے محبوب کی یاد اور عارفوں کے نغموں میں تلاش کرو۔

مشہور چینی فلسفی اور بدھ بیشوا کنفیوشس سنگیت کو بھگوان کی بھاشا قرار دے کر اس کو سننے کا آرزومند ہے۔

یہ تو رہا بت پرست اقوام کا حال اب ذرا دوسری طرف بھی آیئے۔ کہا جاتا ہے کہ علم موسیقی حضرت داؤد علیہ السلام کو معجزہ کے طور پر ملا اور اسی لیے لحن داؤدی آج تک مشہور ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کے موجد حضرت سلیمان علیہ السلام تھے اور ان سے حکیم فیثا غورث نے حاصل کر کے اس کو شائع و ذائع کیا۔

عیسائیوں کے مشہور احتجاجی فرقہ (Protestent) کا بانی پادری مارٹن لوتھر کہتا ہے:

"موسیقی پیغمبروں کا فن ہے۔ صرف موسیقی ہی سے ذہن کو اضطراب میں آسودگی ملتی ہے۔ خدا نے انسان کو جو پاکیزہ اور پرشکوہ نعمتیں عطا کی ہیں، موسیقی ان میں سے ایک ہے۔"

اگرچہ اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی روایات اور اقوال نقل کیے جا سکتے ہیں لیکن بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تاہم ان سے یہ بہ آسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مذاہب عالم میں موسیقی کو کتنا نمایاں مقام حاصل ہے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر موسیقی ایسی ہی عمدہ چیز ہے تو اسلام مجموعہ خوبی کا مدعی ہوتے ہوئے، اس کو ناجائز کیوں قرار دیتا ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اسلام نے ہر معاملہ میں اعتدال و توازن اور شائستگی و خوش سلیقگی پر زور دیا ہے اور غلو و انتہا پسندی سے اجتناب کی تلقین کی ہے۔ مثلاً جنسی جذبہ انسان کی فطرت میں شامل ہے اور اسے کسی طرح بھی دبایا نہیں جا سکتا اسلام نے اس جذبہ کو دبایا نہیں بلکہ بعض پابندیاں عائد کر کے اس میں شائستگی پیدا کر دی ہے تاکہ معاشرہ میں فساد نہ پیدا ہو۔ موسیقی کے معاملہ میں بھی اسلام کا یہی رویہ ہے۔

مرور ایام اور شیطنت کے فروغ سے اچھی چیزوں اور اعلیٰ جذبات کی صورت بھی مسخ ہو جاتی ہے۔ پیغمبر اسلام حضور اکرم محمد مصطفےٰ فداہ روحی کی بعثت سے پہلے ہر طرف تاریکی اور جہالت کا دور دورہ تھا اور ہر چیز کی صورت مسخ ہو چکی تھی۔ چنانچہ اسلام نے اس تاریکی کو دور کیا اور ہر چیز کی تہذیب و تطہیر کر کے اس کے حقیقی خدوخال کو نمایاں کیا اور مناسب مقام دیا۔

جب انسان روحانیت کے بلند درجہ سے گر جاتا ہے اور مادّی استحصال اور جسمانی تعیش اس کا مقصدِ حیات بن جاتا ہے تو اس کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی مسخ شدہ فطرت کے باعث اچھی بھلی چیزوں کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ موسیقی جس کو دیوتاؤں کی زبان اور پیغمبروں کا فن کہا گیا ہے، جب اس مسخ شدہ فطرت کے حامل انسان کے دست تصرف میں آئی تو اس نے اس کی پاکیزگی و لطافت کو غلاظت و کثافت سے آلودہ کر کے نفس پرستی اور بہیمانہ جذبات کی انگیخت کا ذریعہ بنا لیا۔ جب انسان پستی کے اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے دست تطاول سے کوئی شے محفوظ نہیں رہتی۔ یہ اپنی فطرت کی طرح ہر شے کی حقیقت کو مسخ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ میں قبل ازیں عرض کر چکا ہوں، ہر چیز کے حسن و قبح کا انحصار اس کے استعمال پر ہوتا ہے لیکن اس کی ذمہ داری بھی انسان پر ہی عائد ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر چاقو کو لیجیے۔ آپ اس سے قلم تراش سکتے ہیں، سبزی کاٹ سکتے ہیں، کسی مجبور و مظلوم کے بند کاٹ کر اس کو آزاد کر سکتے ہیں اور اسی چاقو سے ایک بے کس و بے گناہ شخص کا گلا بھی کاٹ سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم چاقو کے موخر الذکر استعمال کے پیش نظر یہ فتویٰ صادر کر دیں کہ چاقو فی نفسہ

بڑی چیز ہے تو یہ ہماری کوتاہ بینی کی دلیل ہوگی۔ سوچنا چاہیے کہ اگر چاقو کسی کا گلا کاٹ سکتا ہے تو کسی مجبور و بے کس کے بند کاٹ کر اس کو آزاد بھی کر سکتا ہے۔ اگر چاقو سے کسی بے گناہ شخص کو مجروح کیا جاتا ہے تو اصلی مجرم وہ شخص ہے جس نے اس کا غلط استعمال کیا۔ اس سے چاقو کی ذات میں کوئی قصور واقع نہیں ہوتا۔ البتہ چاقو کے اس غلط استعمال پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے لیکن چاقو بنانے پر نہیں۔ اسی طرح نفس موسیقی میں کوئی برائی نہیں اور موسیقی کے غلط استعمال کو مدنظر رکھتے ہوئے موسیقی ہی کو قبیح و ناجائز قرار دینا سراسر زیادتی ہے۔ خاطی وہ شخص ہے جو اس سے غلط کام لیتا ہے، ہاں اس کے غلط استعمال پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔

اسلام نے کہیں بھی حقیقت و صداقت کا دامن نہیں چھوڑا۔ موسیقی کے معاملہ میں بھی اسلام نے اپنی اس حقیقت پسندانہ روش کو برقرار رکھا ہے۔ اسلام نے موسیقی کو فی نفسہ ناجائز قرار نہیں دیا بلکہ اس کی تہذیب و تطہیر کر کے اس کو ایک مناسب مقام دیا ہے۔

کسی فطری جذبہ پر قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔ موسیقی کا انسانی فطرت اور روح کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ایسی صورت میں اسلام دینِ فطرت ہونے کا مدعی ہوتے ہوئے اس فطری جذبہ کو دبانے کا اقدام کیسے کر سکتا ہے۔

اب یہ دیکھیے کہ قرآن کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ "من لم یتغن بالقرآن فلیس منا" یعنی جو تلاوت قرآن میں غنایت یا خوشنوائی کو مدنظر نہیں رکھتا وہ ہم میں سے نہیں۔ کیا حسن قرأت کی یہ ہدایت غنایت کی رعایت سے محروم ہے آیاتِ قرآنی میں جو خوش آہنگی اور صوتی توازن (Rhythmic Order) ہے کیا وہ موسیقی کے عنصر سے خالی ہے؟

سماع بلا مزامیر کو مسلمانوں کے کسی بھی طبقہ میں ناجائز خیال نہیں کیا جاتا۔ البتہ سماع بالمزامیر کا امتناع ثابت کیا جاتا ہے۔ یہاں تک تو کسی کو اختلاف نہیں، لیکن مزامیر کی تعبیر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور اسی نے اس مسئلہ کو متنازعہ فیہ بنا دیا ہے۔ بعض لوگ

مزامیر سے مطلق ساز مراد لیتے ہیں۔ اگرچہ مزمار ایک خاص قسم کے ساز کو کہتے ہیں، لیکن ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ مزمار ایک ساز ہی کا نام ہے اس لیے اس سے تمام سازوں کی نمائندگی ہوتی ہے لہذا اس کو ممنوع قرار دینا ہی ہر قسم کے ساز یا آلات موسیقی کے امتناع کی دلیل ہے۔ دوسرا گروہ اس دلیل کو مبرہن نہیں سمجھتا اور محض قیاس کی بنا پر فتوائے حرمت درست نہیں سمجھتا۔ اس گروہ کی دلیل یہ ہے کہ مزمار ایک خاص قسم کے ساز کا نام ہے، اس لیے یہ ممانعت ایک خاص قسم کے ساز یعنی مزمار تک ہی محدود ہے اور دوسرے تمام ساز یا آلات موسیقی اس کی تعریف میں نہیں آتے۔

یوں بھی شرعاً ہر چیز میں اصل حلت ہے اور کسی چیز پر حرمت کا اطلاق اسی وقت ہوگا جب اس کے متعلق واضح احکام موجود ہوں۔ بعض علماء نے سورہ بقر کی آیت "لکم الارض فراشاً" کی تفسیر میں یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہاں لام نفع کا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام چیزوں میں اصل حلت ہے جب کہ حرمت عارضی اور محتاج دلیل ہے۔ اگرچہ علامہ زمخشری اور صاحب مدارک نے اس کو ابوبکر رازی اور معتزلہ کا استدلال کہا ہے، لیکن یہ کوئی دلیل نہیں کہ فلاں نے کہا ہے۔ اصول یہ ہے کہ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال

امام فخر الاسلام نے معارضہ کی بحث میں فرمایا ہے کہ اباحت اور حرمت کا جب تعارض ہو جائے تو حرمت کو موخر اور ناسخ سمجھ کر ترجیح دی جائے گی اور حلت اصل ہونے کی وجہ سے سابق اور مرجوح ہوگی۔ ورنہ حرمت کو اصل ماننے سے دو بار نسخ ماننا پڑے گا۔

بہر حال جمہور علماء حلت ہی کو اصل سمجھتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ مسلک قرین صواب نظر آتا ہے۔ محض ہم مخرج یا ہم قبیل ہونا کسی چیز کی حرمت کی کافی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شراب کے ساتھ سرکہ بھی حرام ہوتا، کیونکہ دونوں کی اصل ایک ہے، مگر شراب حرام اور سرکہ حلال ہے۔ اگر حرمت کو اصل سمجھا جائے تو ہر وہ چیز جس کے متعلق حلت کے واضح احکام موجود نہ ہوں حرام ہوگی، اور اس طرح حلت و اباحت کا دائرہ انتہائی محدود ہو جائے گا اور دین میں آسانی

کی بجائے تنگی پیدا ہو جائے گی جو دین کے منشا کے خلاف ہے۔ اس تمام بحث سے بدلائلِ مبرہنہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن چیزوں کو واضح طور پر ناجائز قرار نہیں دیا گیا وہ بلاشبہ جائز اور مباح ہیں اور ان کے اقران اماثل کی حرمت کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مزامیر کے امتناع کا اطلاق ہر ساز پر نہیں ہو گا۔

بہتر ہو گا کہ یہاں امتناع مزامیر کا پس منظر بھی بیان کر دیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کن حالات کے تحت مزامیر کو ممنوع قرار دیا گیا تھا اور کیا وہ شرائط موجود نہ ہونے کی صورت میں یہ امتناع باقی رہے گا؟

مزامیر جمع ہے مزمار کی جو الغوزہ یا شہنائی کی قسم کا ایک ساز تھا۔ عرب کے قحبہ خانوں اور میکدوں میں اس کا عام رواج تھا۔ بالخصوص پیشہ ور عورتیں مزمار بجایا کرتی تھیں اور اسی نسبت سے ان کو زمّارہ کہا جاتا تھا۔ گویا یہ فحاشی اور شیطانی جذبات کی انگیخت کے لوازم میں شامل تھا۔ اسلام اس قسم کی برائیوں کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ جب شراب کو اس کے نقصانات کثیرہ کے باعث حرام قرار دیا گیا تو اس کے لوازم کو ختم کرنا بھی ضروری سمجھا گیا۔ اس لیے تمام آلات مے کشی مثلاً ساغر و مینا اور کوزہ و سبو وغیرہم بھی توڑ ڈالے گئے۔ حالانکہ یہ ظروف حرام نہ تھے اور ان کو دوسرے مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا تھا، مگر چونکہ یہ مے نوشی کے لوازم میں شمار ہوتے تھے اور ان سے مے کشی کی روایات وابستہ ہو چکی تھیں، اس لیے ان کو توڑ ڈالنا ہی مناسب خیال کیا گیا۔

اس وقت مزامیر کا شمار بھی فحاشی و مے کشی کے لوازم میں ہوتا تھا، بلکہ یہ ان قبائح کی علامت بن چکے تھے، اس لیے مصلحت وقت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو بھی ممنوع قرار دیدیا جائے۔ ورنہ غناء و موسیقی کو اسلام میں اباحت کا درجہ حاصل ہے اور ساز کے ساتھ گانے کا جواز موجود ہے۔ البتہ اس سے صحیح استفادہ کرنے کے لیے علماء و فقہاء نے چند شرائط عائد کر دی ہیں تاکہ اس کو غلط استعمال نہ کیا جائے۔ مثلاً غنائیہ اشعار کا مضمون فحش اور خلافِ شرع نہ ہو۔ ماحول پاکیزہ اور مقصد حیوانی و نفسانی جذبات کا اشتعال نہ ہو وقس ہذا۔ یہ شرائط ہر لحاظ سے مناسب ہیں۔ اگرچہ سلجھے ہوئے

انسان پر تو کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا، لیکن ناپختہ ذہنوں پر بُرا اثر پڑنے کا خدشہ ہے اور برے ماحول میں ان کے سفلی جذبات برانگیختہ ہو کر ان کو غلط راہ پر ڈال سکتے ہیں۔ ان شرائط کے ذریعہ موسیقی کے غلط استعمال کے تمام رخنوں کو بند کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک نفس غنا کا تعلق ہے، اسلام نے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا۔ خوش آوازی کو جو موسیقی کا دوسرا نام ہے اسلام میں پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ حسن بذاتہٖ پسندیدہ چیز ہے۔ کیوں نہ ہو "اللہ جمیل و یحب الجمال" اس لیے اسلام ہر رنگ میں حسن کا جویا ہے۔ حسن صوت ہو یا حسن سیرت، حسن نظر ہو یا حسن عمل۔ موسیقی بھی تو حسن صوت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسے کیسے ناپسندیدہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم کی ایک آیت ہے "یزید فی الخلق ما یشاء" یعنی اللہ تعالےٰ جو چیز چاہتا ہے خلق میں زیادہ کر دیتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں خوش آوازی ہی مراد لی۔ کیوں نہ ہو، خوش آوازی عطیہ خداوندی ہے۔ کیا اس سے کام نہ لینا کفران نعمت نہ ہو گا۔ اور اس سے کام لینے ہی کا دوسرا نام غنا و موسیقی ہے۔

یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب حضور اکرمؐ فداہ روحی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف فرمائے مدینہ منورہ ہوئے تو آپؐ کے ورودِ مسعود کی خوشی میں مدینہ کی لڑکیوں نے کچھ اشعار دف بجا کر خوش الحانی سے گائے۔ نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا　　ما دعاء اللہ داع

حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرما کر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔

مسلم اور بخاری نے صحیحین میں زہری عروہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ ایام منیٰ میں ایک بار رسول اکرمؐ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے اور پاس ہی چند لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انھوں نے لڑکیوں کو ڈانٹا۔ حضور اکرمؐ نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا ابوبکرؓ، ان کو چھوڑ دو، یہ عید کے دن ہیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیقی ساز کے ساتھ اور بطور تفریح بھی جائز ہے۔ ڈھولک، طبلہ، مردنگ اور پکھاوج وغیرہ دف ہی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ دف کو جائز سمجھتے ہوئے ان کو کیسے ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

حدیث میں وارد ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے متعلق فرمایا کہ ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطا کیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا جو خوش آواز نہ ہو۔

ان تمام احادیث و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ غنا اسلام میں ناجائز نہیں۔ لیکن ہر کام کے کچھ طریقے اور آداب ہوتے ہیں، اسی طرح غنا کے بھی کچھ آداب ہیں۔ بدسلیقگی سے کوئی بھی کام کیا جائے ناگوار و نقصان دہ ہوتا ہے۔ اگر ان آداب کو ملحوظ رکھ کر غنا سے حظ اٹھایا جائے تو درست بلکہ روح کی بیداری اور جذبات لطیفہ کی تسکین کے لیے ضروری ہے۔

مناسب ہوگا کہ اس باب میں بزرگان دین اور صلحائے امت کے عمل پر بھی نظر ڈال لی جائے، کیونکہ یہ مقدس ہستیاں شارع اسلام حضور اکرمؐ فداہ روحی کے حکم سے روگردانی کی ان میں جرأت تھی۔

سلوک و طریقت کے بیشتر سلاسل میں سماع یا موسیقی کا عام رواج ہے۔ سلاسل چشتیہ، سہروردیہ، وارثیہ وغیرہم میں تو موسیقی کو خاص بار حاصل ہے۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ درویش کامل ہونے کے ساتھ ساتھ باکمال مغنی اور ماہر فن موسیقار بھی تھے۔ ہماری موسیقی ان کے احسانات عظیم کے بار سے کبھی بھی سر نہیں اٹھا سکتی۔ جناب موصوف نے عربی عجمی، اور ہندی موسیقی کے امتزاج سے ایک نہایت دلکش اور ولولہ انگیز موسیقی کو رواج دیا۔ ہماری رائج الوقت موسیقی کا بیشتر حصہ انہی کی مساعی جمیلہ کا رہین منت ہے۔ آج کل مرکیاں اور زمزمے موسیقی کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن ہندی موسیقی ان سے قطعاً ناآشنا تھی۔ حضرت امیر خسرو نے ہی عربی و ایرانی موسیقی سے لے کر ان کو ہندی موسیقی میں شامل کیا۔

جناب موصوف کے ایجاد کردہ راگوں اور اسالیب غنا میں ترانہ، قول، غارا، سرپردا، زیلف، مجیرا، ساز گاری، ایمن، عشاق، موافق، غنم، فرغانہ، فردوست وغیرہم خاص شہرت رکھتے ہیں۔

سُر کے سازوں میں ستار جو اصلاً سہ تار تھا، اور تال کے سازوں میں طبلہ جو پکھاوج کے دو ٹکڑے کر کے بنایا گیا، جس میں کھلے اور بند دونوں طرح کے بول بج سکتے ہیں حضرت امیر علیہ الرحمہ ہی کی ایجاد بتائے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت موصوف نے ایرانی و ہندی تالوں کے امتزاج سے سترہ تالیں ترتیب دیں، جن میں سے قوالی، اصول فاختہ، جھپ، آڑاچوتالہ، سواری وغیرہم زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت امیر خسرو کی انہی خدمات کے باعث ان کو موسیقی کی اصطلاح میں نائک کا درجہ دیا جاتا ہے۔

موسیقی خواہ وہ عربی ہو یا عجمی و ہندی، اس کے فروغ وارتقا میں مسلمانوں کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی موسیقی مسلمانوں کے اثرات سے آزاد نہیں۔ مغربی موسیقی کی متعدد دھنیں اور ساز عربی موسیقی سے ماخوذ ہیں۔ جامعہ قرطبہ میں موسیقی کی بہت بڑی درسگاہ مسلمانوں نے قائم کی، جہاں ابن ہیثم بطانی خوارزمی اور فارابی ایسے ماہرین فن موسیقی کا باقاعدہ درس دیتے اور دور دراز سے مشتاقانِ فن آکر استفادہ کرتے۔ یورپ میں یہ موسیقی کی پہلی باقاعدہ درسگاہ تھی۔

ہماری موسیقی میں خیال انگ شوخی و نزاکت، لوچ اور لطافت اور رعنائی و اثر انگیزی کے لحاظ سے موسیقی کی جان ہے۔ اس کی ایجاد کا سہرا بھی ایک مسلمان کے سر ہے یعنی سلطان حسین جونپوری۔ اس سے پہلے خیال کے نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا۔ ہر طرف دھرپد کا سکہ چلتا تھا۔ دھرپد میں لاکھ شکوہ و وقار اور درد و سوز سہی، لیکن جو بات خیال میں ہے دھرپد میں کہاں۔ دھرپد میں تان اور پلٹے ناجائز ہیں، لیکن خیال کی یہ جان ہیں۔

اور ان سے خیال میں ایسا تیکھا پن پیدا ہو جاتا ہے جو اس کی دلکشی و دلآویزی میں چار چاند لگا دیتا ہے۔

خیر ہمارا مقصد موسیقی میں مسلمانوں کی خدمات کی تاریخ لکھنا نہیں، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے موسیقی کے حسن و قبح او جواز و عدم جواز پر بحث کر کے کسی واضح نتیجہ پر پہنچنا ہے اس لیے اصل موضوع کی طرف گریز ضروری ہے۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ جن کو حجۃ الاسلام کہا جاتا ہے، موسیقی کے متعلق اپنی مشہور کتاب "احیاء العلوم" میں فرماتے ہیں:

" واضح ہو کہ جیسے لوہے اور پتھر میں آگ مخفی رہتی ہے، اسی طرح دلوں میں باطن کے اسرار اور جواہر پوشیدہ ہیں۔ اور ان کے اظہار کی راگ سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔ دلوں کی طرف راستہ بجز کان کے معدوم ہے۔ نغمات موزوں اور لذیذ ان کے اندر کے راز کو ظاہر کرتے ہیں۔ خواہ برے ہوں یا بھلے۔ کیونکہ دل کا حال بھرے ہوئے برتن کا سا ہے۔ جب چھلکا وُگے وہی نکلے گا جو اس میں بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح راگ بھی دلوں کے حق میں کسوٹی ہے۔ جب اس سے دلوں کو حرکت ہوگی تو ان سے وہی بات ظاہر ہوگی جو ان پر غالب ہے۔ اور از انجا کہ دل بالطبع راگ کے مطیع ہیں۔"

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم لکھتے ہیں کہ میرے لیے عبادت کے بعد اگر کوئی چیز نشاط انگیز ہے تو وہ موسیقی ہے۔

سلاسل طریقت میں صرف سلسلہ نقشبندیہ میں سماع کی اجازت نہیں، لیکن یہ ممانعت وقتی مصالح کی بنا پر تھی، ورنہ سلسلہ نقشبندیہ میں بھی ایسے بزرگ مل جاتے ہیں جو موسیقی سے شغف رکھتے تھے۔ اس سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت میرزا مظہر جان جاناں اور خواجہ میر درد دہلوی اس فن شریف میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ خواجہ درد تو ہر ماہ باقاعدہ محفل سماع منعقد کرتے تھے۔ ان کا یہ شعر موسیقی سے ان کے ربط و اشتغال کا ترجمان ہے:

لے درد اس جہاں میں آکر صدائے غیب
بے پردہ ہوئے جس سے وہ پردہ ہے ساز کا

مصلحت وقت کے پیش نظر حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اپنے مریدوں کو الحان کے ساتھ قرآن خوانی سے بھی منع فرما دیا تھا۔ شیخ مجدد کی یہ ہدایت حالات کے پیش نظر تسلیم کی جا سکتی ہے، لیکن اسے حجت نہیں کہا جا سکتا۔ میرا اپنا تعلق بھی سلسلۂ نقشبندیہ سے ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ممانعت سماع کو محض اس وجہ سے حجت قرار نہیں دیا جا سکتا کہ سلسلہ نقشبندیہ میں اس کی اجازت نہیں۔

اس ضمن میں حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری علیہ الرحمۃ اور شیخ نصیر الدین چراغ خلیفہ شیخ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں کہ وہ سماع کے خلاف تھے۔ بہتر ہو گا کہ ان اقوال پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں موسیقی کو ایک دو جگہ فتنہ اور لہو و لعب کہا ہے۔ لیکن یہ اس مسئلہ کا ایک پہلو ہے اور موصوف کے اس قول کا اطلاق موسیقی کے غلط استعمال پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں اولاد و اموال کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ان دونوں سے صحیح کام لیا جائے تو یہی رحمت بن جاتے ہیں۔

مولانا شبلی نعمانی نے 'الفاروق' میں بروایت صحیح بیان کیا ہے کہ ایک شخص مسجد میں اللہ تعالیٰ سے فتنوں سے دور رکھنے کی دعا مانگ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا سنی تو اس شخص کو روک دیا کہ ایسی دعا درست نہیں کیونکہ فتنہ اولاد و اموال کو کہا گیا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش نے "کشف المحجوب" میں ہی اپنی بات واضح کر دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "..... اگر اس کی (یعنی موسیقی کی) تاثیر دل میں حلال ہے تو اس کا سماع بھی حلال ہے اور اگر حرام ہے تو سماع بھی حرام ہے اور اگر تاثیر مباح ہے تو سماع بھی مباح ہے۔" مطلب یہ کہ اگر گانا سننے سے دل میں بُرے خیالات پیدا نہیں ہوتے تو گانا سننے میں کوئی مضائقہ نہیں

ہے۔ظاہر ہے کہ بُرے خیالات اسی وقت پیدا ہوں گے جب ماحول خراب اور محرکات بُرے ہوں گے۔ اگر مذکورہ شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو بُرے خیالات پیدا ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ اس سلسلہ میں حضرت داتا گنج بخش اپنے شیخ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "السماع زاد المضطرین فمن وصل الستغنی عن السماع" یعنی سماع درماندہ اور عاجز لوگوں کا زادراہ ہے جو منزل پر پہنچ گیا اس سے بے نیاز ہو گیا۔

اس سے زیادہ موسیقی کی اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ موسیقی کو زادراہ اور منزل پر پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار وہ کسی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ساز کے ساتھ گانا شروع ہوا۔ شیخ موصوف یہ دیکھ کر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے کہا کہ اپنے مرشد کے مسلک سے گریز کرتے ہو۔ شیخ موصوف نے جواب دیا کہ مرشد کا فعل حجت نہیں۔ جب یہ واقعہ شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کو سنایا گیا کہ آپ کے مرید ساز کے ساتھ گانا سننے سے پرہیز کرتے ہیں تو حضرت محبوب الٰہی نے ہنس کر فرمایا کہ نصیر الدین کا اتقا بڑھا ہوا ہے۔

اس واقعہ کو ساز کے امتناع میں بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے، لیکن اس سے امتناع ثابت نہیں ہوتا۔ یہ شیخ نصیر الدین کا ذاتی عمل ہے اور حجت نہیں۔ خود شیخ نظام الدین علیہ الرحمۃ سماع کے دالہ و شیدا تھے اور ساز کے ساتھ گانا سنتے تھے۔ لیکن وہ کسی پر اپنی پسند ٹھونسنا نہیں چاہتے تھے۔ مباحات میں سے اپنی پسند کے مطابق ترک و قبول کا حق ہر شخص کو ہے اور کسی کو کسی خاص چیز کے ترک یا اخذ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ موصوف کے جواب میں "اتقا" کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اتقار کے معنی ہیں ڈر اور پرہیز گاری۔ جب یہ صفت کسی میں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو وہ خفیف سے شبہ پر حلال و مباح چیزوں سے بھی گریز کرنے لگتا ہے۔ ایک بزرگ کے متعلق روایت ہے کہ وہ کھانا کھا رہے تھے۔ کھانا لذیذ تھا۔ جب آپ کی زبان اس سے لذت آشنا ہوئی تو

زبان کو دانتوں سے چبا لیا کہ کھانے کا مقصد قوت لایموت ہے نہ کہ لذت کام و دہن۔ ان کا یہ فعل سب کے لیے حجت نہیں ہو سکتا، کیونکہ حلال و طیب اشیاء سے لذت آشنا ہونا جائز و درست ہے۔ یہ ان کا حد سے بڑھا ہوا پرہیز تھا کہ انھوں نے جائز لذت سے بھی اجتناب کیا۔ بعینہٖ یہی معاملہ شیخ نصیر الدین علیہ الرحمۃ کا ہے۔ ان کا یہ فعل ان کی ذات تک محدود ہے اور کوئی حجت شرعی نہیں۔ البتہ ان کے اس واقعہ سے یہ سبق ضرور ملتا ہے کہ کسی چیز کے ترک و اختیار کا فیصلہ اپنے صوابدید اور حالات کے مطابق کرنا چاہیے، محض دیکھا دیکھی اور اندھا دھند تقلید نہیں کرنا چاہیے۔ اگر شیخ نصیر الدین کے لیے اپنے پیر کا عمل حجت نہیں ہو سکتا تو ان کا فعل دوسروں کے لیے کیسے حجت ہو سکتا ہے۔

اس تمام بحث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ موسیقی اسلام میں مباح ہے اور اگر مذکورہ شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو موسیقی سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جہاں تک شرائط کا تعلق ہے اس میں موسیقی کی کوئی تخصیص نہیں۔ اسلام نے ہر کام کے لیے نیت کے خلوص اور ماحول کی پاکیزگی کو ضروری قرار دیا ہے۔ ان شرائط سے مقصود موسیقی کی اہمیت کو کم کرنا نہیں۔ اب میں حکیم الامت علامہ اقبال مرحوم کے شعر کے ساتھ اس مضمون کو ختم کرتا ہوں:

نگاہ میرسد از نغمہ دلفروزے
بمعنی کہ بر و جامۂ سخن تنگ است